© rasailojaraid.com

قسط:۲

حدیثِ سفینہ رضی اللہ عنہ اور خلافتِ معاویہ رضی اللہ عنہ

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی

اپنے لقبی نام کے بارے میں خود بتایا کہ:

''میرا نام نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفینہ رکھا (سمانی رسول اللہ ﷺ) کی وجہ یہ ہوئی کہ ایک دفعہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی معیّت میں سفر کے لیے نکلا تو راستے میں ان کا سامان ان پر بھاری ہو گیا تو انھوں نے اسے مجھ پر لاد دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''احمل فانما انت سفینۃ'' تم اٹھاؤ تم تو سفینہ یعنی کشتی ہو۔ مجھے اس نام سے اس قدر خوشی ہوئی کہ اونٹ کے برابر بھی مجھ پر سامان لاد دیا جاتا تو مجھ پر گراں نہ گزرتا۔''

زمانہ مابعدِ نبوت میں حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ مدینہ منوّرہ میں ہی سکونت پذیر رہے اور وہیں ان کی وفات ہوئی۔ حافظ ابن عبدالبر نے ان کی وفات کے بارے میں لکھا ہے کہ سفینہ رضی اللہ عنہ نے حجاج کے زمانے میں وفات پائی۔ (الاصابہ مع الاستیعاب، جلد:۲، صفحہ:۱۳۱)

کوفہ وعراق کے باسیوں سے تو عبدالملک نے ۷۱ھ میں ہی اپنی بیعت لے لی تھی۔ اور اسی سنہ (۷۱ھ) میں خود خلیفہ نے کوفہ کا دورہ بھی کیا تھا لیکن حجاز پر ان کا حکم ۷۳ھ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ہوا۔

۷۴ھ میں عبدالملک نے طارق کو مدینہ منوّرہ سے معزول کر کے حجاج کو وہاں کا حاکم مقرر کیا تھا اور اسی دور میں حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تھی۔ اس سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح عبدالملک کی خلافت پر متفق تھے۔

''ملوک من شرّ الملوک'' کے حوالے سے یہ بات بھی غور طلب ہے کہ جمہور علمائے کرام کے نزدیک حدیث ''الخلافۃ فی امّتی ثلاثون سنۃ'' کی رو سے خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم (۴۰ھ) تک تو اسلام میں ملوکیت کا آغاز ہی نہیں ہوا تھا (یہ الگ بات ہے کہ سید مودودی کے نزدیک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور سے ہی خلافت سے ملوکیت کی طرف سفر شروع ہو گیا تھا) تو پھر حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ نے بنو مروان یا اموی خلفاء کو کون سے برے بادشاہوں کی طرف منسوب کیا ہے؟

ظاہر ہے کہ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ (م۷۴ھ) کی زندگی میں اموی خلفاء کے ہم عصر رومی و ایرانی بادشاہ (قیاصرہ واکاسرہ) ہی تھے کیا ان بادشاہوں کے ساتھ تشبیہ دینے یا منسوب کرنے کا کوئی مسلمان تصور بھی کر سکتا ہے؟

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ روایت میں ''بنی الزرقاء'' سے بنی مروان مراد ہیں اور حضرت سفینہؓ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی حیات تک بنی مروان میں سے صرف عبدالملک کو ''بادشاہت'' ملی تھی اور یہ بھی ثابت ہو چکا کہ ان پر ''ملوک من شرّ الملوک'' کا اطلاق صحیح نہیں ہے اس لیے کہ بنی مروان کی تصریح کی موجودگی میں بنی امیّہ کے کل خلفاء مراد نہیں لیے جا سکتے۔ اگر بالفرض حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی وفات (۷۴ھ) تک کل خلفائے بنی امیّہ مراد بھی لیے جائیں تو پھر بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، معاویہ ثانی، حضرت مروان رضی اللہ عنہ اور عبدالملک جمہور علمائے کرام کے نزدیک بھی بوجہ صحابیت وصالحیت اور بارہ خلفاء کی حدیث کے مصداق ہونے کی بنا پر ''ملوک من شرّ الملوک'' میں ہرگز شامل نہیں ہو سکتے۔

اس کے بعد خلفائے بنی امیّہ میں صرف یزید کی ذات ہی باقی رہ جاتی ہے جس کے دور میں کربلا اور حرّہ جیسے افسوسناک حادثے رونما ہوئے ہیں۔ ان واقعات کے اصلی وحقیقی کرداروں اور سازشیوں کے تعیّن سے قطع نظر اگر خود یزید کو ہی ان سانحات کا اصلی اور حقیقی ذمہ دار قرار دے دیا جائے تو پھر بھی اس پر (واحد ہونے کی وجہ سے) ''ملوک من شرّ الملوک'' (جمع کے صیغے) کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔

لہٰذا زیرِ بحث حدیث کا آخری حصہ ''**کذبت استاہ بنی الزرقاء یعنی بنی مروان...... کذبوا بنو الزرقاء بل ہم ملوک من شرّ الملوک**'' بنوامیّہ کی عداوت میں حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر کے کسی سبائی راوی کی کارستانی معلوم ہوتی ہے۔

جہاں تک حدیث کے دوسرے حصے ''**قال سعید قال لی سفینۃ امسک علیک ابابکر سنتین...**'' کا تعلق ہے تو یہ بھی خلافِ واقع ہے جیسا کہ ہم ثابت کیے دیتے ہیں۔ سعید بن جمہان کہتے ہیں کہ پھر مجھے سفینہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ خلافتِ ابوبکر رضی اللہ دو سال، خلافتِ عمر رضی اللہ عنہ دس سال، خلافتِ عثمان رضی اللہ عنہ بارہ سال اور اسی طرح خلافتِ علی رضی اللہ عنہ شمار کریں۔ جب کہ ترمذی کی روایت میں سالوں کی تعیّن کے بغیر صرف یہ بتایا گیا ہے کہ ''شمار کرابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو، پھر عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو، پھر عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کو، پھر حساب کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا **فوجدناھا ثلاثین سنۃ**۔ سو ہم نے ان تمام خلافتوں کی مدت کو پورے تیس برس پایا۔''

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:

> ''اور ایک حدیث میں یہ جو آیا ہے کہ خلافت میرے بعد تیس سال رہے گی اس سے مراد خلافتِ راشدہ ہے جو بالکل نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر قائم رہی اور حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ تک چلی۔ کیونکہ یہ تیس سال کی مدت حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کی زمانے تک پوری ہوئی۔''
>
> (تفسیر معارف القرآن، جلد: ۶ صفحہ: ۴۴۰ سورۃ النور آیت: ۵۵)

ڈاکٹر علامہ خالد محمود صاحب لکھتے ہیں کہ:

> ''حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث کہ خلافتِ نبوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تیس سال تک رہے گی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے چھے سالوں کو ساتھ شامل کرتی ہے اور حاکم کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ نے چاروں خلفائے راشدین کا نام لے لے کر دو سال، دس سال، بارہ سال اور چھے سال جمع کیے اور پوری مدّت تیس (سال) بتلائی۔“ (خلفائے راشدین، جلد دوم، صفحہ: ۶۶۲، ۶۶۳)

زیرِ بحث روایت کے الفاظ اور اسلوب واضح طور پر یہ اعلان کر رہا ہے کہ:

یہ روایت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو خلافت علیٰ منہاج النبوۃ اور خلافت راشدہ سے نکالنے اور ”حدیث اثنی عشر خلیفه“ کو غیر مؤثر کرنے کے لیے ہی وضع کی گئی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب بھی اور جہاں بھی ”بارہ خلفاء“ کی حدیث کا ذکر آیا تو علماء نے حدیث سفینہ رضی اللہ عنہ کی وجہ سے ہی اس کے اثر کو زائل کرتے ہوئے اس کی یہ تاویل کی کہ:

”لم یرد الحدیث لمدحهم والثناء علیهم بالدین وعلیٰ هٰذا فاطلاق اسم الخلافة فی هٰذا الحدیث بالمعنی المجازی واما حدیث الخلافة من بعدی ثلاثون سنة فالمراد به خلافة النبوة.“ (فتح الباری، جلد: ۱۳، صفحہ: ۱۸۰)

یعنی یہ حدیث ان بارہ خلفاء کی مدح وثناء میں وارد نہیں ہوئی سو اس میں لفظ خلافت کا اطلاق ایک مجازی معنیٰ میں ہے۔ اور یہ جو حدیث ہے کہ میرے بعد خلافت تیس سال رہے گی اس سے مراد خلافت علیٰ منہاج النبوّۃ ہے۔

اس کے برعکس حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ رحمہ اللہ خلافت کا حقیقی معنیٰ میں قیامت تک جاری رہنا تسلیم کرتے ہیں۔ انہوں نے اگرچہ تیس سال کے بعد ”ملک عضوض“ کی نفی فرمائی لیکن اس کے ساتھ ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو غیر کاملہ اور غیر متصلہ بھی قرار دے دیا۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ:

”یہ کہنا کہ خلافت فقط تیس برس تک رہی ہے اس کے احکام اس مدّت کے بعد منقطع ہو گئے ہیں اور اس مضمون کی تقویت کے لیے حدیث **”الخلافة من بعدی ثلاثون سنة ثم یکون ملکاً عضوضاً“** (میرے بعد خلافت تیس برس تک ہوگی اس کے بعد بادشاہت حریصانہ ہوگی) کا ذکر کرنا فاحش خطا اور صریح غلط فہمی سے خالی نہ ہوگا۔ جناب رسول اللہ کا فرمانا..... ”کہ ان بارہ خلیفوں تک جو کہ قریش ہی میں سے ہوں گے اسلام نہایت قوت پر رہے گا اور ایک روایت میں ہے کہ دین اپنے کمال پر ثابت رہے گا تا آنکہ قیامت قائم ہو یا اہل اسلام پر قریش میں سے بارہ خلیفہ ہو جائیں۔“ یہ احادیث ایک چمک دار روشنی ہیں جن سے گزشتہ حدیث میں سے شبہ کی تاریکی بالکل دور ہو جاتی ہے۔ حسبِ تصریح حفاظ حدیث کہ بعض طرق روایات سابقہ میں **”خلافة النبوة من بعدی ثلاثون سنة“** وارد ہوا ہے۔ روایت سابقہ میں ایسی خلافت راشدہ اور خلافت علیٰ منہاج النبوۃ مراد ہے کہ جس کو نبوّت کے رنگ سے از سر تا پا رنگین اور اس کے اعمال واقوال سے بالکل مطابق اور قدم بہ قدم کہہ سکتے ہیں۔ ایسی خلافت کاملہ تیس برس تک متصلاً باقی رہی۔ اس کے بعد نہ وہ اتصال رہا اور نہ وہ کمال۔ کتب شریعت کی ورق گردانی کرنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت امام مہدی اور حضرت عیسیٰ کے خلیفہ ہونے کے بارے میں صحیح اور صریح کے مختلف طریق سے روایتیں موجود ہیں جن سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ قیامت تک خلافت اسلامیہ باقی رہے گی۔'' (فتاویٰ شیخ الاسلام، صفحہ:۱۷۴)

شارحین نے مذکورہ تاویل سے بڑی ''مہارت'' کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سمیت آٹھ اموی خلفاء کی اسلام کی ترقی اور غلبے پر مشتمل خلافتوں کو ''خلافت علیٰ غیر منہاج النبوّۃ'' اور غیر متصلہ قرار دے دیا۔ یہ ملحوظ رہے کہ یہاں بارہ خلفاء کی افضلیت کا ذاتی فضیلت مراد نہیں ہے اور نہ ہی خود خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم فضیلت و افضلیت میں باہم مساوی اور برابر ہیں۔ حالانکہ حدیث میں واضح طور پر فرمایا گیا ہے کہ:

لا یزال الاسلام عزیزا الیٰ اثنی عشر خلیفة. (صحیح مسلم، کتاب الامارۃ۔ جلد:۲ صفحہ:۱۱۹)

یکون اثنا عشر امیرا...... کلهم من قریش. (صحیح بخاری، کتاب الاحکام، رقم الحدیث ۷۲۲۲)

سنن ابی داؤد کی روایت میں بتایا گیا ہے کہ:

''**لا یزال هٰذا الدین قائماً حتّیٰ یکون علیکم اثنا عشر خلیفة کلهم تجتمع علیهم الامّة**'' (سنن ابی داؤد۔ کتاب الفتن، باب الملاحم جلد:۲، صفحہ:۲۳۹)

ان روایات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام بارہ خلفاء کے دور تک غالب رہے گا، کوئی بیرونی طاقت ان پر غلبہ نہ پا سکے گی، یہ سب کے سب قریش میں سے ہوں گے اور ان سب پر امّت کا اجماع ہوگا۔

پیچھے شارحین حدیث کے حوالے سے ان بارہ خلفاء کے اسمائے گرامی گزر چکے ہیں۔ سخت حیرت ہے کہ حدیث میں مذکور ایک ہی لفظ ''خلیفۃ'' سے خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کو تو ''خلافت علیٰ منہاج النبوّۃ'' قرار دے کر حقیقی معنیٰ مراد لیا گیا اور باقی آٹھ خلفاء کی خلافت کو مجازی معنیٰ پہنا دیے گئے کہ:

تیس برس کے بعد ''خلافت علیٰ منہاج النبوّۃ'' جو اصل خلافت تھی وہ تو ختم ہو گئی اس کے بعد ملوکیت آ گئی مگر بعد کے آٹھ بادشاہ بھی مجازاً خلیفہ ہی کہلائے۔ یعنی اپنے لغوی معنیٰ کے اعتبار سے کہ ایک بادشاہ کا جانشین (خلیفہ) دوسرا بادشاہ ہوتا رہا۔ اسی اعتبار سے خلفائے بنی امیہ و بنی عباس کو خلیفہ ہی کہا جاتا تھا۔

تعجب بالائے تعجب یہ کہ مفتی محمد شفیع صاحبؒ رحمہ اللہ نے حدیث سفینہ رضی اللہ عنہ کی بنیاد پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو نہ صرف خلفائے راشدین کے زمرہ سے خارج کیا بلکہ بارہ خلفاء کی فہرست سے بھی خارج فرما دیا:

''ضروری نہیں کہ یہ بارہ خلفاء مسلسل ہوں بلکہ چار تو مسلسل ہوئے پھر کچھ عرصہ کے بعد عمر بن عبدالعزیز تشریف لائے پھر آخر میں امام مہدی تشریف لائیں گے جن کی خلافت علیٰ منہاج النبوّۃ ہوگی۔'' (معارف القرآن، جلد:۶ ص:۴۴۰)

حدیث سفینہ (جس سے خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہ کی ''خلافت علیٰ منہاج النبوّۃ'' پر استدلال کیا گیا تھا) سے چونکہ حضرت عمر بن عبدالعزیز اور حضرت امام مہدی کی خلافت ''علیٰ منہاج النبوّۃ'' ثابت نہیں ہو سکتی تھی اس لیے حدیث

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بارہ خلفاء سے حضرت عمر بن عبدالعزیز اور حضرت امام مہدی کی خلافت علیٰ منہاج النبوّۃ ثابت کر دی گئی۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ چونکہ تیس سالہ مدت خلافت پوری ہو جانے کے بعد خلیفہ مقرر ہوئے اس لیے حدیث سفینہ رضی اللہ عنہ کی رو سے ان کے عہد خلافت کو ''غیر منہاج النبوّۃ'' قرار دے دیا گیا لیکن وہ یقینی طور پر کاتب وحی اور صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کی حیثیت سے حدیث بارہ خلفاء کے بھی مصداق تھے (جس کی بنیاد پر عمر بن عبدالعزیز اور امام مہدی کی خلافت سمیت دیگر آٹھ خلفاء کی خلافتوں کو ''علیٰ منہاج النبوّۃ'' قرار دیا گیا ہے) مگر بڑی خوبصورتی کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس فہرست سے بھی خارج کر دیا گیا۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کی مذکورہ عبارت قارئین کرام پھر ملاحظہ فرمالیں۔

ان حضرات نے بارہ خلفاء میں سے خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کے بعد بنو امیّہ میں سے ایک خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کا تعیّن کیا پھر آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ایک خلیفہ امام مہدی اور باقی چھے خلفاء بنو عباس کے لیے مختص کر دیے کیونکہ اموی خلفاء کے بعد ''کلھم من قریش'' کی شرط کا اطلاق صرف خلفائے بنی عباس پر ہی ہو سکتا ہے یہ ملحوظ رہے کہ ترکی عثمانی خلفاء غیر قریشی ہونے کی بناء پر حدیث ''بارہ خلفاء'' کا مصداق نہیں ہو سکتے۔

اس تفصیل سے یہ بات بھی خود بخود ثابت ہو گئی کہ بنو عباس کی دعوت کو مذہبی بنیادیں فراہم کرنے کی غرض سے باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کی مدّتِ خلافت کا حساب کر کے بغضِ بنی امیّہ اور بغضِ معاویہ رضی اللہ عنہ میں جہاں کچھ روایات وضع کی گئیں وہاں حدیثِ سفینہ رضی اللہ عنہ کی مخصوص تشریح کو پھیلا کر بنو امیہ سے دشمنی چکائی گئی۔

علاوہ ازیں حدیثِ سفینہ رضی اللہ عنہ میں خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کی مدّتِ خلافت بھی صحیح شمار نہیں کی گئی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مدّتِ خلافت سے تین ماہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت سے چھے ماہ کم کر دیے گئے۔ جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مدّتِ خلافت میں پندرہ ماہ (یعنی ایک سال اور تین ماہ) کا اضافہ کر دیا گیا۔ یہ بات تو قابلِ فہم ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت کے چھے ماہ والد کی خلافت میں جمع کر دیے گئے ہیں لیکن حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی خلافتوں کے نو ماہ کس ''اصول'' کے تحت خلافتِ امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ میں شامل کیے گئے؟

مزید برآں حدیثِ سفینہ رضی اللہ عنہ میں خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی مدّتِ خلافت بالترتیب ۲+۱۰+۱۲=۲۴ سال بتا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مدّتِ خلافت چھے سال شامل کر کے یہ نتیجہ بتایا گیا کہ ''فوجدناھا ثلاثین سنۃ'' ہم نے اسے پورے تیس سال پایا۔

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مدّتِ خلافت چار سال اور نو ماہ ہے جسے زیرِ بحث روایت میں چھے سال ظاہر کیا گیا ہے۔ اس کے جواب میں ''تاویلاتِ فاسدہ'' کا سہارا لیتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ حدیثِ سفینہ رضی

© rasailojaraid.com

اللہ عنہ میں کہیں بھی ”سِتَّ“ یعنی چھے کا عدد نہیں ہے۔ ایسے بودے استدلال کے سہارے اصولی معاملات طے کرنے والوں سے صرف یہی درخواست ہے کہ وہ خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی مدّتِ خلافت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مدّتِ خلافت چار سال اور نو ماہ شامل کر کے تیس کا مجموعہ ثابت کر دیں۔

حدیثِ سفینہ رضی اللہ عنہ کے ذریعے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافتِ راشدہ کی نفی کرنے والوں پر جب غلطی ظاہر ہوئی تو انہوں نے فوراً اس میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی مدّتِ خلافت بھی شامل کر دی جو زیادہ سے زیادہ چھے ماہ ہے جب کہ روایت میں واضح طور پر صرف اور صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور تک خلافتِ راشدہ کی کل مدّت تیس سال شمار کی گئی ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی مدّتِ خلافت کو شامل کرنے کے باوجود چھے سال کا عدد ایک معمّا بن گیا ہے کیونکہ ان دونوں کی مدّتِ خلافت جمع کر کے بھی کل مدّت پانچ سال اور تین ماہ بنتی ہے۔

پھر یہ قاعدہ کہ ”کسور کا اعتبار نہیں ہے۔“ اس قاعدے کے تحت بھی چھے سال کا استعمال غلط ہے۔ کیونکہ کسور کے حذف میں یہ اصول کارفرما ہے کہ اگر نصف سے زائد ہو تو اسے اگلے عدد میں شمار کیا جاتا ہے اور اگر نصف سے کم ہو تو اسے پچھلے عدد میں ہی شمار کیا جائے گا۔ اس قاعدے کے تحت دونوں کی مدّتِ خلافت پانچ سال بنتی ہے نہ کہ چھے سال۔

علاوہ ازیں اس عدد میں کتابتی غلطی کا بھی کوئی امکان نہیں ہے۔ روایت کی بناوٹ یہ بتا رہی ہے کہ اس کو خوب سوچ سمجھ کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مبارک زمانۂ خلافت کو ”ملوکیت“ ثابت کرنے کے لیے ہی تیار کیا گیا ہے۔

حدیثِ سفینہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسے روایت کرنے والے صرف حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان سے آگے روایت کرنے والے سعید بن جمھان ہیں۔ پھر سعید بن جمھان سے ترمذی کی روایت میں حشرج بن نباتہ ہیں جب کہ ابوداؤد کی ایک سند میں عبدالوارث بن سعید اور دوسری سند میں عوام بن حوشب ہیں۔
اسی طرح اس مختصر متن کی حامل اور ایک ہی راوی سے مروی روایت کے متن کے الفاظ میں بھی فرق اور اختلاف ہے:

ترمذی	ابوداؤد
قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم الخلافة فی امّتی ثلاثون سنة ثم ملک بعد ذٰلک. (جامع ترمذی، جلد دوم، ص:۴۵)	قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم خلافة النبوّة ثلاثون سنة ثم یؤتی اللّٰہ الملک من یشاء او ملکه من یشاء. (سنن ابی داؤد، جلد دوم، ص:۲۹۰)

اس کے بعد عبارت حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ اور سعید بن جمھان کے مابین گفتگو اور خالص حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کا اپنا کلام ہے۔ اس حصّے میں بھی دونوں روایات کے الفاظ میں فرق پایا جاتا ہے۔

© rasailojaraid.com

ترمذی	ابوداؤد
ثُمَّ قَالَ لِیْ سَفِیْنَةُ اَمْسِکْ خِلَافَةَ اَبِیْ بَکْرٍ ثُمَّ قَالَ وَ خِلَافَةَ عُمَرَ وَ خِلَافَةَ عُثْمَانَ ثُمَّ قَالَ اَمْسِکْ خِلَافَةَ عَلِیٍّ فَوَجَدْنَاهَا ثَلَاثِیْنَ سَنَةً قَالَ سَعِیْدٌ فَقُلْتُ لَهُ اِنَّ بَنِیْ اُمَیَّةَ یَزْعُمُوْنَ اَنَّ الْخِلَافَةَ فِیْهِمْ قَالَ کَذَبُوْا بَنُوالزَّرْقَاءِ بَلْ هُمْ مُلُوْکٌ مِنْ شَرِّ الْمُلُوْکِ	قَالَ سَفِیْنَةُ اَمْسِکْ عَلَیْکَ اَبَابَکْرٍ سَنَتَیْنِ وَعُمَرَ عَشْرًا وَعُثْمَانَ اِثْنَیْ عَشَرَ وَعَلِیٌّ کَذَا قَالَ سَعِیْدٌ قُلْتُ لِسَفِیْنَةَ اِنَّ هٰؤُلَاءِ یَزْعُمُوْنَ اَنَّ عَلِیًّا لَمْ یَکُنْ بِخَلِیْفَةٍ . قَالَ کَذَبَتْ اِسْتَاهُ بَنِی الزَّرْقَاءِ یَعْنِیْ بَنِیْ مَرْوَانَ.

علاوہ ازیں زیرِ بحث حدیث جسے حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کر رہے ہیں کوئی معمولی اور غیر اہم خبر نہیں ہے بلکہ غیر معمولی اور نہایت ہی اہم خبر ہے جس سے پوری اُمّت کا مستقبل وابستہ ہے لیکن یہ بات یقیناً باعث تعجب ہے کہ اتنی اہم خبر کو ہزاروں اور اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی بجائے صرف ایک آزاد کردہ غلام سفینہ رضی اللہ عنہ (م ۷۴ھ) روایت کر رہے ہیں اور اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نظر انداز کر کے خلافت جیسے اہم ترین اجتماعی مسئلہ کے متعلق صرف حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ ہی کو آگاہ فرمایا تھا کہ خلافت بس تیس برس تک ہی رہی گی اس کے بعد بادشاہت شروع ہو جائی گی تو انہوں نے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارک سے باقی صحابہ رضی اللہ عنہم کو کیوں نہیں مطلع کیا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت ان تیس برسوں کے اندر ہی قائم ہوئی ہے اس لیے ان کی خلافت، خلافتِ نبوت ہے جس سے اختلاف کی گنجائش نہیں۔ کم از کم حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کو جنگ صفّین کے بعد بر موقع ''تحکیم'' تو اس راز کو فاش کر ہی دینا چاہیے تھا۔ انکشاف تو دور کی بات ہے انہوں نے تو دورِ مرتضوی میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت تک نہیں کی تھی بلکہ غیر جانب دار رہنے والوں میں شامل تھے۔ اگر یہ حدیث انہیں معلوم تھی تو پھر انہیں جنگِ جمل وصفّین میں سب سے آگے ہونا چاہیے تھا لیکن وہ تو پیچھے بھی کہیں نظر نہیں آئے۔ اس کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت سے دست برداری کے بعد ۴۱ھ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پھر بیعت کرتے وقت اس حدیث کے اظہار کا بہترین موقع تھا کہ چونکہ خلافت تیس سال کے بعد ختم ہو چکی ہے اس لیے میں ایک بادشاہ کے ہاتھ پر بیعت کر رہا ہوں۔

تعجب بالائے تعجب یہ کہ نہ تو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی بھر اس اہم اجتماعی مسئلے سے حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی صحابی کو آگاہ فرمایا اور نہ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات ۷۴ھ تک مسئلہ خلافت میں شدید ترین اختلافات کے باوجود کسی صحابی کو اس سے مطلع کیا۔ بعد میں اگر انہوں نے اس کی ضرورت سمجھی بھی تو پورے عالمِ اسلام میں سے صرف بصرہ کے ایک فرد سعید بن جمہان کو اس حدیث کا اہل پا کر پوری تشریح وتفسیر اور خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کی

© rasailojaraid.com

مدّتِ خلافت کا با قاعدہ حساب کر کے اسے اس شخص کے حوالے کر دیا جس کے ساتھ ان کی ملاقات بھی محلِ نظر ہے کیونکہ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ۷۴ھ میں ہوا جب کہ سعید بن جمہان ۱۳۶ھ میں فوت ہوئے دونوں کی وفات کے درمیان باسٹھ سال کا فرق ہے۔ نیز اوّل الذکر مدینہ جب کہ ثانی الذکر بصرہ کے باشندے تھے۔

اس فرق سے معلوم ہوا کہ زیرِ بحث حدیث کے راوی سعید بن جمہان، حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے باسٹھ برس دنیا سے رخصت ہوئے۔ معلوم نہیں کہ انہوں نے حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے کب، کہاں اور کس عمر میں سماع کیا تھا؟ اسی لیے حافظ ابن حجر نے ایک قول نقل کیا ہے کہ ''**فی حدیثه عجائب**'' یعنی ان کی حدیث میں بڑی عجیب باتیں ہوتی ہیں۔

پھر سعید بن جمہان نے بنو اُمیّہ کی خلافت کے زوال کے بعد بنو عبّاس کے دور میں اپنے ایک کوفی شاگرد حشرج بن نباتہ (ترمذی) اور دو بصری شاگردوں عبدالوارث بن سعید اور عوام بن حوشب (ابوداؤد) کو حدیث سفینہ سے آگاہ فرمایا۔

پھر عوام بن حوشب سے روایت کرنے والے جناب ہشیم بن بشیر بن ابی حازم الواسطی ہیں جن کے متعلق امام ذہبی لکھتے ہیں کہ:

''امام ہشیم کا شمار بڑے بڑے قابل اعتماد حفاظ حدیث میں ہوتا ہے مگر یہ تدلیس کرنے کے بہت خوگر تھے۔ ایک ایسی جماعت سے احادیث بیان کرتے ہیں جن سے ان کو سماع حاصل نہیں ہے۔ ہشیم نے ۱۸۳ھ میں وفات پائی۔'' (تذکرۃ الحفاظ تحت ہشیم بن بشیر بن ابی حازم الواسطی)

سعید بن جمہان سے دوسرے روایت کرنے والے بصری راوی جناب عبدالوارث بن سعید (م ۱۸۰ھ) ہیں جن کے اہم اساتذہ میں امام ذہبی نے سعید بن جمہان کا ذکر نہیں کیا چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ:

''آپ کی کنیت ابوعبیدہ ہے۔ بنو عنبر کے ساتھ نسبت ولاء رکھتے ہیں۔ بصرہ کے رہنے والے ممتاز حافظ حدیث اور پختہ کار عالم ہیں۔ ایوب سختیانی، یزید رشک، جعد ابوعثمان، شعیب بن حجاب، ایوب بن موسیٰ اور ایک دوسری جماعت سے حدیث کا سماع کیا اور ان سے مسدّد، قتیبہ، بسر بن ہلال، حمید بن مسعدہ، ان کے بیٹے عبدالصمد اور دوسرے بہت سے لوگوں نے روایت کی ہے۔''

یہاں نہ ان کے استاد سعید بن جمہان کا ذکر ہے اور نہ ہی ان کے شاگرد سوار بن عبداللہ کا۔ بلکہ سوار بن عبداللہ اور عبدالوارث بن سعید کے درمیان سرے سے ایک راوی ہی متروک ہے۔

عبدالوارث بن سعید پر ''مبتدع'' (بدعتی) کا الزام بھی موجود ہے۔ محمود بن غیلان کہتے ہیں: کسی نے داؤد طیالسی سے پوچھا آپ عبدالوارث سے حدیث کیوں نہیں بیان کرتے؟ بولے کیا میں تجھے ایسے شخص سے حدیث بیان کروں جو کہتا ہے عمرو بن عبید (مشہور بدعقیدہ معتزلی اور قدری) کے پاس ایک دن رہنا ایوب، یونس اور ابن عون کے پاس ساری عمر رہنے سے بہتر ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حسن بن ربیع کہتے ہیں ہم عبدالوارث سے حدیث پڑھتے تھے لیکن جب نماز کی اقامت ہوتی تو ہم نکل جاتے اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں سمجھتے تھے۔

کسی نے عبداللہ بن مبارک سے پوچھا: آپ عبدالوارث سے کیوں روایت کرتے ہیں جب کہ آپ نے عمرو بن عبید کو چھوڑ دیا ہے حالانکہ یہ دونوں بدعتی ہیں؟ فرمایا: عمرو بن عبید اپنی بدعت کی تبلیغ کرتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت (ربیع الاوّل ۱۱ھ) سے حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی وفات (۷۴ھ) تک کسی دوسرے صحابی کو یہ حدیث معلوم نہ ہو سکی۔ پھر حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ مدنی سے سعید بن جمہان بصری (م ۱۳۶ھ) تک صرف ایک آدمی کے سینے میں محفوظ رہی۔ پھر ان سے حشرج بن نباتہ ایک کوفی (جو تقریباً تمام ائمہ رجال کے نزدیک ضعیف الحدیث، لایحتج بہ اور منکر الحدیث ہیں) اور عوام بن حوشب اور عبدالوارث بن سعید دو بصریوں نے اسے روایت کیا جو اس قدر بدعتی تھے کہ ان کے شاگردان کی اقتداء میں نماز پڑھنا بھی جائز نہیں سمجھتے تھے اور جو اس قدر غالی تھے کہ معتزلی اور قدری استاذ کی صحبت میں ایک دن قیام کو صحیح العقیدہ مشائخ حدیث کی صحبت میں عمر بھر رہنے سے بہتر سمجھتے تھے۔

اسی پر بس نہیں بلکہ ان شاگردوں کے شیخ جناب سعید بن جمہان خود ”لایحتج بہ، ضعیف الحدیث اور منکر الحدیث“ کے اوصاف والقاب سے متصف رُواۃ میں آتے ہیں۔

زیرِ بحث حدیث آحاد، در آحاد ہے۔ تنہا سعید بن جمہان اس کے راوی ہیں وہ تنہا اس کو حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر رہے ہیں۔ یہ حدیث پہلی صدی گزر جانے کے بعد بنو عباس کے دورِ خلافت کے آغاز (۱۳۲ھ تا ۱۳۶ھ) میں ایک کوفی اور دو بصری راویوں کے ذریعے خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کی مدتِ خلافت کا حساب کر کے خاص طور پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مبارک زمانۂ خلافت اور عموماً پورے دورِ اموی کو ”عہدِ ملوکیت“ ثابت کرنے کے لیے سامنے لائی گئی۔

سخت تعجب ہے کہ اس آحاد، در آحاد، ضعیف، منکر الحدیث، ناقابل احتجاج، بدعتی اور مجروح راویوں سے مروی حدیث کی بنیاد پر خلافت راشدہ کو تیس سال تک محدود کر کے اسے بطورِ ”عقیدہ“ اپنا لیا گیا۔

ڈاکٹر علامہ خالد محمود لکھتے ہیں کہ:

”عقیدہ قائم کرنے کے لیے قطعی دلائل کی ضرورت ہوتی ہے۔ ظنّی دلائل سے اعمال تو ترتیب پا سکتے ہیں لیکن عقائد نہیں بنتے۔ خبر واحد صحیح بھی ہو تو عقیدہ ثابت کرنے کے لیے کافی نہیں۔“ (خلفائے راشدین، جلد: دوم، ص: ۴۳۵)

امام اہلِ سنّت مولانا سرفراز خان لکھتے ہیں کہ:

”کتب عقائد میں یہ مسئلہ صراحت اور وضاحت کے ساتھ لکھا ہوا ہے کہ عقیدہ کے اثبات کے لیے خبرِ واحد صحیح بھی ناکافی ہے یعنی ایسی حدیث جس کے راوی اگرچہ ثقہ ہوں لیکن اس حدیث کا شمار خبر واحد میں ہوتا ہو تو اس سے عقیدہ ثابت نہیں ہو سکتا...... خبرِ واحد اگرچہ صحت کی ان تمام شرائط سے متصف ہو جن کا اصول فقہ (اور حدیث) میں بیان کیا گیا ہے لیکن پھر بھی اس سے ظن کا فائدہ ہی ہو سکتا ہے اور عقائد کے باب میں ظنیات کا کوئی اعتبار نہیں ہو سکتا۔“

(تبرید النواظر، طبع چہارم، ص: ۲۳)

جاری ہے

© rasailojaraid.com